(غلام گردش)

بچھڑ گئے!

کیا بہترین کتاب ہے۔فرخ کیونکہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔لہذا فرخ صاحب لکھنا مقدم ہے۔شائد برادرم فرخ کہنا زیادہ مناسب ہے۔عرصے دراز سے فوج سے ریٹائرڈ ہونے والا کرنل زیڈ آئی فرخ۔ان سے محض چند ملاقاتیں ہیں۔واجبی سی۔دو چار مباحثوں میں اکٹھے جانے کا اتفاق۔ذہن میں انکے متعلق کوئی خصوصی تاثر نہیں تھا۔ایک سماجی ملاقات کے بعد اپنی کتاب میرے حوالے کی تو گھر واپس آ کر میز پر رکھ دی۔وہی جو اکثر کتابوں کے ساتھ ہوتا ہے۔میز بھر جاتی ہے۔جب طبیعت چاہے تو پھر کوئی کتاب نکال کر ورق گردانی شروع کر دیتا ہوں۔ویسے میری سٹڈی میں کتابیں بڑے قرینہ سے شلفوں میں رکھی ہوئی ہیں۔مگر میز پر ایک بے ترتیب ڈھیر موجود ہے۔ایک دوسرے کے اوپر دھری ہوئی بے ترتیب سا کتابی ڈھیر۔یہ بے ترتیبی میری زندگی کا ایک سرمایہ ہے۔بہت زیادہ نظم وضبط سے میری سوچنے کی طاقت مفقود سی ہو جاتی ہے۔

برادرم فرخ کی کتاب کے ساتھ بھی یہی ہوا۔میز پر تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتہ پڑی رہی۔پھر ایک شام نظر پڑی تو بے معنی طریقے سے پڑھنا شروع کر دیا۔جیسے جیسے کتاب پڑھنی شروع کی،ایک جہانِ حیرت کھلنا شروع ہو گیا۔ایک نوجوان فوجی افسر جو مشرقی پاکستان میں تعینات ہوا تھا۔جس نے ملک کو دو حصوں کو انتہائی تکلیف سے تقسیم ہوتے دیکھا تھا۔جو بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کا عینی شاہد تھا۔جس نے ایک نوحہ لکھا ہے،کہ اس جان کنی میں کون سے فریق نے کیا منفی یا مثبت کام کیا تھا۔یہ ایک مرثیہ ہے،ملک کے ٹوٹنے پر،1970 کے مقتدر طبقے کی ذہنی پسماندگی پر۔کس طرح مغربی پاکستان میں چند اعلیٰ ترین لوگوں نے لوگوں کو اصل معاملات کی ہوا نہیں لگنے دی۔کیسے قومی سطح پر جھوٹ در جھوٹ بولا گیا اور کیسے ایک ایسی حقیقت کو جو دہائیوں سے مشرقی پاکستان کا بچہ بچہ جانتا تھا،لوگوں سے چھپایا گیا۔یہ کتاب ایک نوجوان فوجی افسر کی پکار ہے۔جو چار دہائیوں کے بعد بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی سابقہ دور میں۔سچ تو سچ ہوتا ہے۔بیشک صدیوں تک ملفوف رہے اور یہ تو صرف دہائیاں پہلے کی بات ہے۔

کتاب کے چند مندرجات پیش خدمت ہیں۔

''میں نے اپنے ساڑھے چار سال کی کہانی لکھی ہے۔اپنے آپکو کسی ایک موضوع میں محدود کرنے کی بجائے میں نے خود دیکھا،خود جانا،میرے ساتھ جو گزری،بطور نوجوان افسر کس جگہ کیا جذبات تھے اور آج میں اسکا کیسے تجزیہ کرتا ہوں،سب نہایت ایمانداری کے ساتھ نذر قارئین کر رہا ہوں۔اُمید ہے پڑھنے والوں کو اس وقت بنگال میں زندگی،عوامی احساسات،تاریخی اور جغرافیائی اثرات،اور حالات کے جبر کا کچھ اندازہ ہو جائیگا۔شائد اسی سے ہمارا قومی معاملات میں حقیقتوں کو پہچاننے اور اپنی ذمہ داریوں کے احساس کا عنصر بھی مزید نمو پا جائے''۔

''انکا اپنی قسمت بدلنے کا سفر خاموشی سے جاری تھا جسطرح لاوا زمین کے اندر مناسب وقت اور کمزور چٹانوں کی تلاش میں صدیوں سفر کرتا رہتا ہے۔یہ خیالات اب ماضی کے جھروکوں میں اُمڈتے نظر آتے ہیں ورنہ اسوقت تو ہم فقط تفاخر سے مخمور ہو رہے تھے''۔

''یادرہے کہ جب بنگالی وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے 22 نومبر 1954 کو اسمبلی میں وَن یونٹ کی قرارداد پیش کی جو اسکے اگست 1955 میں مستعفی ہونے کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد 30 ستمبر 1955 کو منظور ہوئی۔ اسکے خلاف شیخ مجیب الرحمٰن کی آواز نمایاں تھی۔ اس نے مشرقی بنگال کو مشرقی پاکستان کہنے پر بنگالی تشخص کا خاتمہ بلکہ بنگال کے نام تک کو مٹانے کے مترادف قرار دیا تھا۔ کیا اسوقت کسی نے اسکی آواز کے اثرات کا اندازہ لگانا مناسب سمجھا؟ کیا کسی کی بلند نگاہی نے اسکے مضمرات کا ادراک کرتے ہوئے آئندہ کی بنگالی نسل کے احساسات کا سوچا تھا جو اسوقت تو 8 سال کی تھی مگر اب اس بازگشت میں جوان ہو کر مجیب کی طاقت بن چکی تھی؟ مشہور مثل ہے کہ غلط سیاسی فیصلے تپ دق کے جراثیم کی طرح ہوتے ہیں۔ آغاز میں علامات کم نظر آتی ہیں مگر علاج آسان ہوتا ہے اور بعد میں جب علامات سامنے کھل کر آجاتی ہیں تو علاج مشکل یا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس معاملے میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے''۔

''نئے سال کے پہلے دو دنوں میں واقعی Happy New Year کا سماں تھا مگر اس سال کا اختتام کتنا اندوہناک ہونیوالا تھا کم از کم ہمارے لیول پر تو اسکا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا''۔

''فوجی دستوں کو حکم تھا کہ شہر میں کرفیو کا نفاذ تو یقینی بنایا جائیگا مگر کوئی جوان گولی فائر نہیں کریگا۔ یہ عجیب المنطق آرڈر لیکر آرمی شہر میں داخل ہوگئی۔ جگہ جگہ جوانوں کی بلوائیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ چار پانچ گھنٹے گالیاں اور پتھر کھانے کے بعد بھی جوان حکم کی تعمیل کرتے رہے جس سے بنگالیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ایک جگہ جہاں انہوں نے خود پر پھرپور حملے کو آتے دیکھا تو آرمی جوانوں نے فائر کھول دیا۔ اس رات چھ بنگالی مارے گئے۔ اپنی تحریک میں شدت لانے کیلیے انہیں یہ لاشیں چاہیے تھیں سو انہیں پہلی رات ہی میسر آگئیں''۔

''یحییٰ خان نے سب کے سامنے جمہوریت کی بحالی کا عزم رکھا۔ ون یونٹ توڑ کے صوبے بحال کر دیئے، مشرقی پاکستان کو برابر کی نمائندگی (Parity) سے آزاد کر کے ایک آدمی ایک ووٹ کا اُصول رائج کیا، الیکشن منصفانہ اور غیر جانبدارانہ کروائے اور مجیب کے چھ نقاطی منشور پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ پھر الیکشن نتائج کے مطابق مجیب الرحمٰن کو برملا پاکستان کا مستقبل کا وزیراعظم کہا۔ مگر یہ سب جمہوری اقدام اُٹھائے اور بنگالیوں کی اُمیدیں بڑھانے کے بعد اقتدار انکے حوالے کرنے کیلئے مین میخ نکالنی شروع کر دی۔ وہ سیاستدان اور ذرائع ابلاغ جنہوں نے ''محبّ الوطن'' مجیب الرحمٰن کو اگرتلہ کیس سے نکلوایا تھا، کہیں بھی اُصولی جمہوریت کے حق میں آواز اُٹھاتے نظر نہ آئے۔ اس فیکٹر نے بنگالیوں کو اخلاقی اور آئینی طور پر مضبوط کر دیا۔ اُدھر مغربی پاکستانیوں کا بھی ایک طرح کا محاذ سامنے آگیا جس سے ملکی یکجہتی مزید کمزور ہوگئی''۔

اپریشن ''سرچ لائٹ'' نے مشرقی پاکستان پر آرمی کے ذریعے حکومت کا کنٹرول تو بحال کر دیا مگر یکجہتی کی تسبیح ٹوٹ گئی اور اسکے موتی اس گھنے سبزے میں ایسے بکھر گئے کہ سراغ لگانا کسی بھی سرچ لائیٹ کے بس میں نہیں رہا تھا''۔

''ڈھاکہ میں ہر طرف ایک شور سا برپا تھا۔ بہاری کالونیوں اور اَکا دُکا مل جانے والے پاکستانیوں کا قتلِ عام جاری تھا جو ''جائے بنگلہ'' کے فلک شگاف نعروں کے درمیان ہو رہا تھا۔ پیل خانہ کے ایک طرف دھان منڈی، نیو مارکیٹ اور دوسرے پوش علاقوں میں مکتیوں کی گاڑیوں کے پیچھے بنگالی اپنے نئے پرچم کے ساتھ کاروں کے قافلے بنا کر گھوم رہے تھے۔ وہ مختلف جگہوں پر رُک رُک کر اپنے جذبات

کا اظہار کرتے ،نعرہ بازی کرتے اور آگے نکل جاتے۔دوسری طرف بوڑھی گنگا کے ساتھ گنجان آبادیوں اور تنگ گلیوں میں لوگوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اور فلک شگاف نعرے سنائی دے رہے تھے۔ان میں پاکستانیوں سے نفرت کے نعرے زیادہ تھے۔خطرہ تھا کہ رات کو ادھر سے یہ لوگ پیل خانہ پر ہلہ نہ بول دیں۔ہم میں سے ہر ایک کو اس رات جاگ کر اپنی اس پاکٹ کا دفاع کرنا تھا۔آج بھی ہم پہلے والے تفاخر کی عمارتوں میں بیٹھے تھے مگر غریب الوطن ہونے کا احساس غالب تھا''۔

''17 دسمبر کو ہم ڈھاکہ کینٹ کے مکین بنے تھے اور 19 دسمبر کی صبح نہتے ہو کر دشمنوں کے رحم و کرم پر چلے گئے۔ہر لمحہ کسی انجانے انتظار میں گزرتا۔سچ کہتے ہیں کہ غیر یقینی کی کیفیت سب سے بڑی سزا ہوتی ہے۔کتنے دن اور کس حال میں یہاں رہنا تھا،اسکے بعد کہاں جانا تھا،کب آزادی ملے گی ، ملے گی بھی یا نہیں ، کچھ معلوم نہ تھا۔قیافہ آرائیاں اور سینئرز سے دوسری جنگِ عظیم کے قیدیوں کی کہانیاں سنتے دن رات گزر جاتے۔یونٹس اور گروپس کے لوگ ایک دوسرے کو ڈھونڈ کر اکٹھے ہو چکے تھے اور اب اسی طرح کی لسٹیں بن رہی تھیں''۔

یہ 1971 کی آخری رات تھی۔یہ وہی سال تھا جسکا آغاز میری زندگی کے خوبصورت ترین لمحات سے ہوا تھا میں بظاہر آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا مگر آنکھیں وہی سارے حسین لمحے صاف صاف دیکھ رہی تھیں۔فرق صرف اتنا تھا کہ ہر ایک نظارہ جس سے میں اسوقت خود کو معطر فضاؤں میں اونچی اُڑان بھرتے محسوس کر رہا تھا وہی اب دل کو زخم زخم کر رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے میں ایک گھائل پرندے کی طرح آسمانوں سے مایوسیوں کی عمیق گہرائیوں میں گرتا چلا جا رہا تھا''۔

''جنگی قیدی کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔نہ تو اس نے ذاتی طور پر کوئی جرم کیا ہوتا ہے اور نہ ہی اسکی سزا کی مدت متعین ہوتی ہے۔پھر اس نے اپنے قومی مقاصد کی خاطر انہی کے تازہ تازہ سپاہی مارے ہوتے ہیں جنکی وہ قید میں ہوتا ہے۔لہذا اسے کسی رحم کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا۔اس کرب میں مجھے بھی دو سال چار ماہ اور 12 دن کا عرصہ گزارنا پڑا''۔

''کوئی قید میں ہو یا رات ڈھلے اپنے راستے سے بھٹک جانے والا مسافر،اُمید صبح میں اندھیری رات گزار ہی لیتا ہے۔خطرات اور خوف سے گزرنے کے بعد صبح صادق دونوں کیلئے اُمید کی کرن ہوتی ہے۔مگر جہاں مسافر اپنی منزل کی جانب اس اُمید سے بڑھنا شروع کر دیتا ہے کہ شام تک گھر پہنچ جائیگا،قیدی حسرت و یاس کے بگولوں میں سرگرداں کسی اور صبح کا انتظار کرنے لگ جاتا ہے۔اسکے لیے سورج کا نکلنا صبح نہیں ہوتی''۔

''شملہ معاہدے پر اس وقت کے اپوزیشن لیڈر اٹل بہاری واجپائی نے کہا کہ ہماری فوجوں نے جو میدانِ جنگ میں جیتا تھا وہ اندرا گاندھی نے بھٹو کے سامنے میز پر ہار دیا۔نقاد اس بات پر سراپا احتجاج نظر آتے تھے کہ انکے وزیر اعظم نے 1971 کی جنگ کے ثمرات سمیٹے بغیر آسانی سے پاکستان کے ساتھ جنگ سے پہلے والی پوزیشن پر آنا اور بہتر حالات پیدا کرنے کا معاہدہ کیوں کر لیا تھا''۔

واپسی پر'' کچھ دیر چلنے کے بعد درختوں کے درمیان میں سے سبز ہلالی پرچم نظر آ گیا۔پھر کیا تھا؟اس عظیم پرچم سے نظر نہ ہٹتی تھی۔سانسیں تیز اور آنکھیں نم ہو گئیں۔یہ معلوم ہی نہ تھا کہ قدم کہاں پڑ رہے ہیں۔بس پاکستانی وقار کی اس علامت کی جانب فاصلہ کم کرنا تھا۔یہ وہ کیفیت ہے جسے لکھنے کیلئے نہ تو الفاظ ہیں اور نہ ہی پڑھنے سے محسوس کی جا سکتی ہے''۔

برادرم فرخ نے کمال کتاب لکھ ڈالی ہے۔ایک نشست میں پڑھنے کے بعد جب دیکھا تو رات گزر چکی تھی اور آنکھوں میں صرف بادل تھے۔مگر سوال ہے کہ کیا ہم نے اس المناک واقعہ سے کسی قسم کا کوئی سبق سیکھا بھی ہے یا نہیں! جواب آپ پر چھوڑتا ہوں۔

راؤ منظر حیات